© rasailojaraid.com

حضرات صحابہ کرامؓ کا اخلاص

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان)

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور سیاست، علم، معیشت اور ٹیکنالوجی میں پسماندگی کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اُمت مُسلمہ بحیثیت مجموعی ایثار و قربانی اور اخلاص جیسے اخلاق حمیدہ سے محروم ہو چکی ہے، مخلص قیادت کے فقدان نے ترقی کی دوڑ میں مسلمانوں کو بہت پیچھے کر دیا ہے اور طاقت کا توازن خطرناک حد تک غیر مسلموں کے قبضہ میں ہے۔ اسلام ایک کامل دین اور نظامِ زندگی ہے، کسی نظام کو چلانے کے لیے قربانی کی بے حد اہمیت ہے، مگر یہ قربانی وہی لوگ دے سکتے ہیں جو حُبِ جاہ و مال جیسے رذائل سے پاک اور بے غرضی و اخلاص کی صفت رکھتے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد خلفاء راشدینؓ کے دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں پر فتوح و برکات کا جو دروازہ کھولا اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں مربع میل پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اس کی شاہ کلید جذبہ ایثار و اخلاص ہی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کا امیر کون ہو؟ اس وقت مدینہ منورہ میں دو سر برآوردہ جماعتیں تھیں۔ "انصار" اور "مہاجرین"۔ انصار کا خیال تھا کہ امارت ان کا حق ہے اور اس کی وجہ وہ نصرت و مساعدت تھی جو انھوں نے ہجرت کے موقع پر کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجر صحابہؓ نے مکہ چھوڑا تو انصار نے اس پورے قافلہ کو اپنے شہر میں جگہ دی اور ہر اعتبار سے اُن کی مددگار بن گئے۔ مہاجرین کی حیثیت "ایک لٹے ہوئے قافلے" کی تھی مگر انصار نے اُن کے عزت و احترام میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ مقامی اور غیر مقامی کی تفریق کے ساتھ کوئی نسلی تعصب نہ برتا، انصار کی مسلسل حمایت اور قربانی کے ذریعے اسلام مضبوط ہوا اور اس کی شاندار تاریخ بنی۔ ان اسباب کی بناء پر انصار یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ امارت ان کا حق ہے۔ چنانچہ انصار اس معاملہ کو طے کرنے کے لیے اپنے قبیلہ کی چوپال، "سقیفہ بنی ساعدہ" میں جمع ہوئے۔ اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ فوراً سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے کیونکہ اس معاملہ میں معمولی غفلت بھی نہایت دُور رس نتائج کا سبب بن سکتی تھی، انصار کی مخصوص فضیلتیں بالکل بجا تھیں، مگر دینی فضیلت اور سیاسی قیادت الگ الگ چیزیں ہیں۔ سیاسی قیادت کے لیے دینی فضیلت کے علاوہ بھی بعض خصوصیتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور انہی کے حامل سیاسی قیادت کے اہل ہوتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو وہاں انصار کے بزرگ قائد حضرت سعد بن عبادہؓ بھی موجود تھے۔ انصار کا رجحان یہ تھا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کو امیر المؤمنین بنایا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن عبادہؓ سے فرمایا کہ

© rasailojaraid.com

کیا تمھیں یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھاری موجودگی میں ارشاد فرمایا تھا کہ قریش و لاۃ ہذا الامر اور الناس تبع لقریش، یعنی عرب میں سیاسی سرداری صرف قریش ہی کر سکتے ہیں، عرب کے لوگ ان کے علاوہ کسی اور کی ماتحتی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔ حضرت سعدؓ نے اس کا اقرار کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے انصار سے فرمایا کہ تمھاری دینی خدمت اور اسلام کے اندر تمھارا مقام و مرتبہ مسلّم ہے، لیکن عرب کے لوگ قریش کی قیادت کے سوا کسی اور کی قیادت سے آشنا نہیں۔ تمام انصار نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا، لیکن اشاعت اسلام کے لیے انصار کی عظیم قربانیوں کے پیش نظر یہ ایک فطری خواہش تھی کہ وہ اقتدار میں قابل لحاظ حد تک شریک ہوں۔ چنانچہ ایک انصاری نے دیکھا کہ امیر کا عہدہ انصار کو دینے پر اختلاف ہے تو اس نے تجویز پیش کی کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے "مِنّا امیر و منکم امیر" یہ تجویز اسلام کی ترقی و اشاعت اور مستقبل کے لیے کتنی خطرناک ہو سکتی تھی، یہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ چنانچہ وسیع تر مصالح جاننے کے بعد تمام انصار مہاجرین کی امارت پر راضی ہو گئے، یعنی سیاسی قیادت یک طرفہ طور پر مہاجرین کے سپرد کر دی جائے اور انصار کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ انصارِ مدینہ اگر اس اخلاص و بے غرضی کا مظاہرہ نہ کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے معاً بعد ہی انصار و مہاجرین میں ٹکراؤ شروع ہو جاتا اور اسلام ایک تاریخ بننے سے پہلے ہی مدینہ میں دفن ہو جاتا۔

کوئی تحریک اپنے آغاز میں ہو تو اس میں مناصب کی کشش نہیں ہوتی مگر جب وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جائے تو عہدے اور اقتدار کی کشش شامل ہو جاتی ہے اس لیے بہت سی تحریکیں کامیابی کے مراحل طے کرنے کے بعد مناصب کی رسہ کشی کے باعث دم توڑ گئیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ انسانیت کا وہ مقدس گروہ ہیں جو عظیم کامیابی کے مرحلہ تک پہنچے، مگر انھوں نے مناصب دوسروں کے حوالے کر کے اپنے لیے بے منصب حیثیت قبول کر لی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے جس اسلام کو اختیار کیا، اس کو اختیار کرنا اخلاص کے بغیر ممکن نہ تھا۔ انھوں نے جس دین کو اپنا دین بنایا، اس کا محرک اللہ کی رضا کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ ان کا اسلام مکمل طور پر ایک بے داغ اسلام تھا۔ ان کی للّٰہیت ہر امتحان میں پوری اترتی تھی، اس لیے کہ آج لوگوں کو اسلام کے نام پر بڑے بڑے اعزازات مل رہے ہیں مگر صحابہ کرامؓ نے اسلام کی خاطر خود کو بالکل بے قیمت کر دیا تھا۔ آج اسلام کے علمبرداروں کو ہر جگہ قیادت اور استقبال کا تحفہ مل رہا ہے، مگر صحابہؓ ایک ایسے اسلام کے علمبردار تھے جس کے باعث انھیں پہلے سے حاصل شدہ عزت و رفعت سے بھی دستبردار ہونا پڑا، حضرات صحابہ کرامؓ نے اس وقت اپنے آپ کو اسلام کے لیے وقف کیا جبکہ اسلام ہر قسم کے مادی مفادات سے خالی تھا۔ وہ اس وقت پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی بنے جبکہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کسی قسم کی قیادت نہیں ملتی تھی۔ یہ اخلاص و بے نفسی اور بے غرضی کا بلند ترین مقام تھا۔ آج بھی اُمت دینی و دنیوی مدارج کو اُس وقت تک نہیں پا سکتی جب تک وہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اخلاص و للّٰہیت کے زادِ سفر کو ہمراہ نہیں لیتی۔ اربابِ مدارس کو اس متاعِ گم گشتہ کی تحصیل کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

☆☆☆